2019-2020

S. Mohaseena

Topic : تنقید کے دبستان

Subject :- Urdu

S.V.C.R. GOVT Degree college

Class :- IIIrd year (B.A)(H.U)

Roll No :- 1

Scanned with OKEN Scanner

تنقید کے دبستان

جمالیاتی تاثراتی اور نفسیاتی تنقید :-

جمالیات فلسفے کی ایک شاخ ہے

اس کی ابتداء یونان میں ہوئی۔ علم جمالیات میں لفظ حسن بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور جمالیات کا موضوع حسن ہی ہے وہ انسان کی تخلیق کی ہوئی اشیاء میں اسی عنصر کو تلاش کرتا ہے۔ جمالیات انگریزی میں استعمال ہونے والے لفظ AEsthestics کا ترجمہ ہے۔ اور اس کے دائرے میں وہ تمام چیزیں آجاتی ہیں جن کا تعلق حسن سے ہوتا ہے۔ انسان میں حسن کا احساس فطری طور پر موجود ہوتا ہے۔ اور خوب صورت چیزوں کو دیکھ کر اسے مسرت حاصل ہوتی ہے۔ ہر دور میں انسان نے حسن کی ماہیت کا پتہ چلانے کی کوشش کی ہے۔ اور ہر عہد میں فلسفی مفکرین نے حسن سے متعلق کچھ نظریات قائم کئے ہیں۔ بعض حسن کو خارجی حقیقت تصور کرتے ہیں اور اس کے برخلاف دوسرے لوگ حسن کو ایک داخلی کیفیت سے تعبیر کرتے ہیں فنون لطیفہ کا حسن سے بڑا گہرا تعلق ہے ہم حسن کے بغیر فنون لطیفہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے مصوری میں رنگ موسیقی میں تال اور سُر اور شعر میں الفاظ کا آہنگ انسان کی دل فریبی کا تعلق

کا تعلق احساسِ جمال سے ہے۔ [illegible] چونکہ ادب بھی یہی کرتی ہے۔ اور اسکی قدر و قیمت متعین کرتی ہے۔ اسلئے جمالیات سے اس کا ربط غیر فطری نہیں معلوم ہوتا۔

دور جدید میں کروچے CROCE نے علم جمالیات کو نئے تصورات سے آشنا کیا۔ اس کی کتاب جمالیات اس سلسلے میں بڑی اہم تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ کروچے اس خیال کا حامل ہے کہ فن میں حسن اظہار کا دوسرا نام ہے۔ یہ انسانی ذہن کی ایک صنف ہے۔ جو چیز وجدان میں فوری طور پر محسوس کرتی ہے۔ کروچے کے نظریہ اظہاریت کا خلاصہ یہ ہے کہ فن فن کار کے انفرادی اور ذاتی جذبات و احساسات کا اظہار ہے۔ جو تنقید ادب کے معنی پہلو اور اس کی جمالیاتی حیثیت سے بحث کرتی ہے۔ وہ جمالیاتی تنقید کہلاتی ہے۔ اس کا مقصد ادب میں حسن کی تلاش اور اس کی نشاندہی ہوتا ہے۔ جمالیاتی تنقید کسی ادبی کارنامے میں حسن کے ذریعے سے پیدا ہونے والی مسرت پر زور دیتی ہے۔ اسی واسطے میں ادب کا مقصد مسرت کی تخلیق ہے اس لئے کسی ادب میں یہ معیار تلاش کئے جاتے ہیں کہ اس کا حسن کن کن جانب سے جھلکتا ہے۔ جمالیات سے ادب کے دو نظریات متعارف ہوئے ہیں۔

1. اظہاری
2. تاثراتی

تنقید نگاری کے اس دبستان کی بنیاد بیسویں صدی کے رومانی اسکول کے ادبی اصولوں پر قائم ہیں۔ اس دبستان کے ماننے والے جذباتی بیان کو تنقید کا مرکز سمجھتے ہیں یعنی کہ نظم جذبات میں جو تلاطم اور ہلچل پیدا کرتی ہے۔ اس اظہار کا نام تنقید ہے۔

تاثراتی تنقید کے حسب ذیل امتیازات کہے جاسکتے ہیں۔

1. تاثراتی تنقید میں تنقید کا معیار ذاتی پسند اور شخصی ناپسندیدگی پر ہوتی ہے۔
2. تاثراتی تنقید میں انفرادیت کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔
3. تاثراتی تنقید میں طرز اظہار اور خیال پر اسلوب کو ترجیح دیتے ہیں۔
4. تاثراتی تنقید میں بہت زیادہ داخلیت پائی جاتی ہے
5. تاثراتی نقاد ادب میں اخلاق کی مداخلت کے قائل نہیں
6. ادب کے جمالیاتی اور رومانی پہلو کو مطمع نظر بنالیتے ہیں

Scanned with OKEN Scanner

سے ادبی تنقید معروضیت پیدا ہونے سے دور ہو سکتی ہے۔

سائنٹفک تنقید:-

سائنس کا مقصد ادراکِ حقیقت ہے۔ سائنس مشاہدہ ہے۔ تجزیہ اور تجربہ کے ذریعہ حقائق تک پہنچتی ہے۔ سائنٹفک تنقید میں بھی معروضی یعنی غیر جانبدارانہ طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے۔

سائنٹفک نقاد ادیب اور قاری کے درمیان ایک مستقل رابطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ایک تنقیدی شعور سے کام لے کر ادیب یا شاعر کی بات سنتا ہے۔ پھر اس کا محاسبہ کر کے قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ سائنٹفک تنقید نگار ادبی تخلیق کو اس کے عصری تناظر میں دیکھتا ہے۔ سائنٹفک نقاد کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ فکر کو سماج سے جدا نہیں سمجھتا۔ وہ اس خیال کا حامی ہوتا ہے کہ شاعر اور ادیب سماج سے اثر قبول کر کے اسے ادب میں بالواسطہ طور پر پیش کرتے ہیں۔

سائنٹفک تنقید میں سب سے اہم نام احتشام حسین کا ہے۔ وہ ایک نقاد ہیں۔ جنہوں نے مارکسی نظریہ کو قبول کیا لیکن اسے حفاظت کے ساتھ ادب میں سائنٹفک تنقید کی

بنیادیں استوار کیں۔ وہ ادب میں تاریخی حقیقت، مادیت کا
تاثراتی دلکشی پر زور دیتے ہیں اور کسی متن پر وہ بھی نقد
ی شعور کی عکاسی ملتی ہے۔ اور منطقی ربط و تسلسل پایا
جاتا ہے۔ وہ تنقیدی نتائج کے اظہار میں توازن اور اپنا
ئیت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ سائنٹفک تنقید نگاروں میں
اسلوب احمد انصاری بھی اہمیت کے حامل ہیں انہوں
نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا بھی ہے۔ مغربی ادب
اور فلسفہ علم سے واقف ادراک حاصل کیا ہے اور تنقیدی
روایات پر گہرا مطالعہ کیا ہے۔

رومانی، جمالیاتی، تاثراتی اور نفسیاتی تنقید
میں ایک قدر مشترک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تمام ناقد
ادب برائے ادب کے نظریے پر ایقان رکھتے ہیں
ان کا نظریہ ایک طرفہ اور محدود محسوس ہوتا ہے۔ سماجی
اور مارکسی تنقید نے ادب برائے زندگی کے نظریے پیش
خوشنما پیش کی ہے۔ سماجی تنقید میں سماجی قدروں کے
احساس کی وجہ سے وسعت اور گہرائی پیدا ہو سکتی ہے
اس طرز فکر کے نقادوں نے اس بات پر زور دیا کہ اچھا
ادب وہ ہے۔ جو اپنے عہد کی پوری عکاسی کرتا ہو۔ یہ

فروغ ملتا ہے۔ سب سے زیادہ سائنٹفک تنقید میں پائی جاتی ہے
سائنٹفک تنقید میں سائنسی یعنی معروضی اور غیر جانبدارانہ
رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ ادب کا موضوع زندگی ہے۔ زندگی
سماج کے مختلف علوم اور اداروں سے تعلق رکھنے کے ساتھ
احساسات، جذبات، تاثرات و تخیلات سے بھی آزاد نہیں
اس لئے سائنٹفک تنقید ادب میں تاریخی، مادی اور سماجی
حالات کا تجزیہ کرتی ہے۔ اس طرح سماجی تقاضے، ذاتی
ذوق و شوق کا بھی دخل ہوتا ہے۔

سائنٹفک نقاد کے لئے ادیب اور قاری کے
درمیان ایک مضبوط رابطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اپنے
تنقیدی شعور سے کام لے کر ادیب شاعر کی بات کا منشا
پھر اس کا محاکمہ کرکے قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔
سائنٹفک نقاد ہر ادبی تخلیق کو اس کے عصری تناظر میں
دیکھتا ہے۔ سائنٹفک نقاد کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ
وہ فنکار سماج سے پیدا ہوا سمجھتا ہے اس خیال کا حامی ہوتا ہے۔
شاعر اور ادیب سماج سے اثر قبول کرکے اسے ادب
میں بالواسطہ طور پر پیش کرتے ہیں۔ سائنٹفک تنقید
تنقید کی معنویت میں وسعت کی ہے۔ روایات اور تجربات کے
فرق کو سمجھاتا ہے۔ اور ادیب ادبی سرمایہ کے قابل قدر حصہ

احساس دلاتے ہوئے اسے آج کی زندگی کے باعمل سچے جذبے اور زندگی حقائق کا آئینہ دار بنا دیا ہے۔

سائنٹفک تنقید میں جذباتیت پروپیگنڈہ کا ذرا بھی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے لب و لہجہ میں توازن اور اعتدال ہوتا ہے۔ سائنٹفک تنقید کی زبان سادہ اور سلیس ہوتی ہے۔ اس کے اسلوب میں وضاحت ہوتی ہے۔ پیچیدگی یا ابہام نہیں ہوتا۔

تقابلی تنقید:-

تنقید کے جن دبستانوں کا تعلق نقادوں کے تنقیدی رویے سے ہوتا ہے یعنی نقاد سائنٹفک تنقید کو سب سے زیادہ موثر انداز تنقید تصور کرتے ہیں۔ بعض تقابلی تنقید کے قائل ہوتے ہیں۔ اور بعض جمالیاتی تنقید کے پہلوؤں پر اپنی توجہ رکھتے ہیں بعض نقاد اس خیال کے حامل ہیں کہ کسی شاعر یا ادیب کی ادبی تخلیقات سے موازنہ اور مقابلہ کیا جائے۔ دو شاعروں یا ادیبوں اور ان کے ادبی کارناموں کا مقابلہ و موازنہ تقابلی تنقید ہے۔ تقابلی تنقید اردو ادب میں ابتدا ہی سے موجود رہی ہے۔ نظم طباطبائی اور تذکروں کے مصنفین تقابلی سے کام لیتے رہے ہیں اور اردو شاعروں کا عربی یا فارسی کے کسی شاعر سے تقابل کر کے اس خاص شاعر کے

کلام کی خصوصیات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

جب انھیں اردو کے شاعر کے کلام میں کوئی شعر ایسا نظر نہیں آتا تو وہ فارسی کے کسی ممتاز شاعر سے اس کا مقابلہ کر کے اس کی عظمت کا اظہار کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ بالواسطہ طور پر ایک قسم تحسین شاعر کی تعریف و توصیف کا ایک پیمانہ تھا۔

موازنہ اور تقابلی مطالعہ ایک فطری امر ہے۔ انسان دو چیزوں کے درمیان مقابلہ کر کے خوب سے خوب تر کی جستجو کے جذبے کی تسکین کرتا ہے۔ اسی لیے ہر زبان میں تقابلی تنقید کا طریقہ رائج رہا۔ موازنہ تنقید کا ایک موثر طریقہ تصور کیا جاتا تھا۔ ہمارے سامنے عربی ادب کی مثال ہے۔ عربوں نے فنی نقطۂ نظر سے اس کو ترقی دی۔ انھوں نے موازنہ کے اصول مرتب کیے جن سے فارسی کے ادیبوں

تقابلی تنقید میں عرب نقادوں نے دو طریقے اختیار کیے ہیں۔

1. دو شعرا کا موازنہ مقابلہ کر کے فیصلہ قاری پر چھوڑنا
2. دو شاعروں یا ادیبوں کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ صادر کرنا۔

ابو البشر حسن بن احمد غالباً پہلے طریقے پر کاربند رہا۔ قاضی جرجانی دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ شبلی نعمانی نے موازنہ انیس و دبیر میں قاضی جرجانی کی تقلید کی ہے۔ بعض عرب ناقدین نے یہ نظریہ قائم کیا کہ موازنہ دو ایسے شاعروں اور ادیبوں کے درمیان کیا جانا چاہیے جن میں بہت سی شاعرانہ خصوصیات مشترک ہوں وہ بالکل جداگانہ مزاج اور میلان کے شاعروں کا باہم مقابلہ کرنا درست نہیں ہے۔ یہ دیکھتے ہیں کہ اردو شاعروں میں انیس و دبیر دو ایسے مرثیہ گو ہیں جن کے موضوع اور منتخب کردہ صنف سخن میں اشتراک ہے۔ ان دونوں شاعروں میں خاص یکسانیت موجود ہے۔ اس لیے ان پر موازنہ کے ذریعے سے ان کی انفرادی خصوصیات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ مرثیہ اپنی صنف میں انتہائی جامع ہے۔ اسی لیے بعض نقادوں نے دو شاعروں اور ادیبوں کا موازنہ کو بھی درست تصور کرتے ہیں جن میں متضاد خصوصیات پائی جاتی ہوں۔ مثلاً میر اور سودا کا مقابلہ میر کا کلام سوز و گداز دردمندی اور حرمان پر مبنی ہے۔ اور سودا کا کلام اس کے برعکس شگفتگی زندہ دلی اور طنز و مزاح کی تصویر ہے۔ ان دونوں کے کلام کا موازنہ کرنے سے ان کے شاعرانہ مرتبے اور ان کے منفرد طرز ادا کا تعین ہو۔ کیونکہ یہ اندازہ درست ہیں جو قدیم شعر و شاعری میں حالی نے مشرق و مغرب کے ایک نظم اور

شعراء کے خیالات و مقولات اور ان کے اقوال پہلے پیش کر کے ان کا مقابلہ و موازنہ کیا ہے۔

آج کا نقاد اپنی زبان کے علاوہ دوسری مغربی زبانوں کے ادب سے بھی واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مغربی زبانوں کے ادب سے واقفیت نے اس کی اپنی معلومات میں اضافہ کر دیا ہے۔ وہ عالمی ادب اور اپنے ملکی فنکاروں کا ان کے ہم عصر اور دوسرے شاعروں اور مفکرین سے ان کا مقابلہ کرتا ہے۔ تقابلی نقاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ زیر بحث شعراء کے مخصوص خیالات پر بھی نظر رکھے۔ تقابلی نقاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ زیر بحث شعراء کے مخصوص خیالات پر اس کی ہم عصر موضوع پر اس کی گرفت مضبوط ہو۔ اگر مومن کے تغزل کا کسی اور شاعر کے تغزل کا سے مقابلہ کیا جائے تو اس کی غزل گوئی کی تمام خصوصیات پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ صرف دو یا تین اشعار کی روشنی میں موازنہ درست نہیں ہوگا اور مومن کے تغزل کی صحیح قدر و قیمت سامنے نہیں آسکے گی۔

تقابلی نقاد کے لیے حسب ذیل امور کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

1. غیر جانبداری
2. انصاف پسندی
3. مقابلے و موازنے کی صلاحیت

4. زیرِ بحث شاعر کے فن سے اچھی واقفیت
5. یک طرفہ فیصلے سے گریز
6. جذباتیت سے پرہیز

مارکسی تنقید :

ادب کے مطالعہ اور تنقیدی نظریات کی بحث کے سلسلے میں مارکس کے نظریات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مارکس اور اس کے حامیوں نے ادب کے مطالعہ کے سلسلے میں جو بنیادی خیالات پیش کئے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ تاریخی صداقت پر مبنی ہیں یہ علمی بنیاد بھی۔ اور ان کی صداقت سائنس کے مسلمات کی طرح قطعی اور یقینی ہے۔ ان کی نظر میں ادب وہ ہے جو حالات اور سماج کی عکاسی کرتے ہوئے ان کی ترجمانی کرتا ہے۔ ادب کی بحث میں انہوں نے بنیادی کی طرح صرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے مادے کی اہمیت اور افادیت پر زور دیا اور ادب کو مادے کی طرح تغیر پذیر اور ارتقاء پذیر بتایا ہے۔

ہر سماج ہر زمانے میں مختلف طبقوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ یہی طبقے ادب و فن کے سلسلے میں ایک دوسرے کے حریف ہوتے ہیں۔ اور ان میں کشمکش جاری رہتی ہے۔ چونکہ یہ کشمکش زندگی کے ہر منظر پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسلئے

ادب بھی اسی سماجی ڈھانچے کا حصہ ہوتا ہے۔ ہر دور کا ادب اسی طبقاتی
کشمکش کی عکاسی کرتا ہے۔ جو اس دور کے تاریخی حالات پر مبنی
ہے۔ یعنی داستانی ادب کا تعلق جاگیرداری سے ہے۔ ادب اس سماجی یا طبقاتی
کے درمیان [illegible] کو بدلنے اور بہتر بنانے کا ایک ذریعہ سمجھا
جاتا ہے۔ مارکس تاریخ اور تہذیب کی طرح ادب کی اہمیت کا بھی
قائل ہے۔

فن اور فکر کے بارے میں مارکس سے پہلے یونانی
مفکرین افلاطون اور ارسطو نے اظہار خیال کیا تھا۔ مارکس نے ان
مفکرین کے نظریات کے ادب کے بارے میں ایک نیا انقلابی نظریہ
پیش کیا۔ جبکہ مارکس سے پہلے مفکرین تک بھی حقیقت نگاری یا سماجی
حقیقت نگاری سے [illegible] تقلید کرتے رہے۔ افلاطون نے جس طرح
ادب اور ادیب پر چند اخلاقی یا مذہبی حدود کی کھینچی۔ اسی طرح
مارکس اور اس کے حامی مفکرین نے بھی ادب کے چند سماجی
مقاصد پیش کر دیا۔

ادب کے مفکرین میں پہلے مارکس اور پھر لینن
اور اینگلز نے ادب کے بارے میں جو خیالات پیش کیے وہی
خیالات ادب کے اس نظریے کی تردید کرتے ہیں کہ ادیب اور
شاعر جن خیالات کا اظہار کرتے ہیں وہ وہبی ہوتے ہیں
مارکس کہتا ہے۔ کہ یہ ان کا دعویٰ اور غلط ہے۔ خیالات نظریات
اور عقائد آسمان سے نازل نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کا تعلق

ہماری ساری زندگی اور عملی تجربات سے الگ ہے۔ رومان کے خیالات اس کی عملی منافقات اور تجربات کا عکس بہت سی سماجی تشکیلات اور مادوں سے اتصال پاتا ہے۔ کا مطالعہ بھی مارکس نے ذرائع پیداوار کی تبدیلی میں کیا ہے۔ یعنی جب ذرائع پیداوار بدل جاتے ہیں تو لازماً معاشرے میں بھی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس طرح ادب ہر وقت تاریخ، تہذیب اور معاشرے کا مطالعہ ہے۔ اور ہر عہد اور ہر طبقے کے خیالات کی ترجمانی ادب میں واضح طور پر مل جاتی ہے۔

عملی تنقید :-

1960ء میں سے اردو میں صوتیاتی مطالعہ "Phonological" کو مطالعۂ شعر میں زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس سلسلہ میں مسعود حسین خان کا مطالعۂ شعر صوتیاتی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے اردو کے صوتیاتی نظام کا تجزیہ کیا ہے اور شعر میں مختلف آوازوں کی اشکال ان کی حرکت، کشش اور تواتر کی وضاحت کی ہے۔ علاوہ آوازوں کے آہنگ اور ان کی کیفیات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

ہر ادب پارہ کا ایک صوتی سلسلہ ہوتا ہے۔ جس سے معنی اور کیفیات ابھرتی ہیں اور کہ جمالی خصوصیات یا تضاد سے ایک آہنگ پیدا ہوتا ہے۔ آوازوں کے تضاد یا توازن

سے کسی زبان کا نظام صوتیات بنتا ہے۔ کسی شعری فن پارے
کی سبقت اور اس کی تاثیر میں اس زبان کے نظام اصوات کا
جو دخل رہتا ہے۔ اسلوبیات میں اسی کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں
کسی زبان کی آوازیں شامل ہیں۔ اسلوبیات کے حوالے میں زبان
مصوتوں [vowels] اور مصمتوں "consonents" کی درجہ بندی کی
جاتی ہے۔ ہماری زبان میں مصوتے دو قسم کے ہیں مختصر
ہیں اَ اِ اُ "short vowels" اور طویل مصوتے "long vowels" ہیں
آ ای ہیں۔ مثالوں میں شعر کی معنویت پر چھا جاتی ہیں۔
معنوی امتیازات ان اصوات کا جو تاثر ہوتا ہے۔ اس سے
پوری نظم یا شعر یا صوتی mode بنتا ہے۔ یہ اصوات تاثر پیدا
کرتے ہیں۔ وہ تمام اسلوب اور اسلوبیات میں شامل
شعری آہنگ اسلوب کا صوتیاتی حوالہ میں علامہ اقبال کی ایک
مختصر نظم "تنہائی" کا تجزیہ درست ہوگا یہ خیال قائم رہا ہے کہ
اس نظم میں متاثر ذات کا سماں باندھا ہے۔ جس میں خاموشی
شب اور سناٹا ہے ذات سے مطابقت رکھنے والے انجم یا اندھیرا تارے
وغیرہ کے لفظ آئے ہیں۔ اور طویل مصوتوں کا استعمالات
کی تاریکی اور سناٹے میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دیتا ہے
اس مصرعے سے اندازہ ہوتا ہے۔ یہ آواز کا مجموعی
کرتا ہے۔ ان آوازوں کے مجموعی تاثر سے معنویت پر
پر اثر پڑتا ہے۔ ساحلوں کی سناٹے کا عالم اسلوب اختیار نظم کی
اور بحروں کی ترکیب بھی معنویت کو مزید ترقی دیتی ہے۔

اسلوبیات stylistics لسانیات کی اس شاخ کا نام ہے جس میں زبان کے مختلف اسالیب اور ان کے مختلف استعمال کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک اسلوبیاتی مطالعہ میں فنکار کی شخصیت اور نفسی اہمیت رکھتی ہے۔ اور نہ اس کا اظہار اہمیت کا حامل فن پارہ ہوتا ہے۔ جبکہ کچھ ایسے ہیں جو فنکار کی ذات اور اس کے ماحول کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔

انگریزی ادبیات میں آئی اے رچرڈز I.A. Rechards اور ولیم ایمپسن کے کارنامے اسلوبیات کے میدان میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

رچرڈز اور ایمپسن کے بعد لیو اسپٹزر کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اسپٹزر کو اسلوبیاتی تجزیے سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس نے واضح انداز میں ادب کے مطالعہ میں لسانیاتی تجزیہ کو اہمیت دی ہے۔ کیونکہ ادب پارہ کی لسانی خصوصیات اسے سمجھنے اور اس کی تشریح کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

فرانس اور امریکہ میں اسلوبیات پر خاص توجہ کی گئی۔ 1950ء تک امریکہ میں اسلوبیاتی مطالعہ کے دو مختلف اسکول ہو گئے۔ ایک اسکول میں اسٹرکچرل سٹکس پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کے بانیوں میں بلوم فیلڈ کا نام لیا جاتا ہے۔ بلوم فیلڈ نے اسلوبیات کو ایک نئی سمت فراہم کی۔ اس نے اسلوبیات کے مطالعہ میں زبان کی ساخت کو اہمیت

دی جس میں صرفی نحوی اور لغوی تجزیہ شامل ہے۔ بلوم
فیلڈ نے اسلوبیات کو علم کا درجہ فروغ دیا۔ لیکن ادب پر اس کے
اطلاق کو اہمیت نہیں دی۔ یہ تک بلوم فیلڈ امریکی کے ساتھی سے
تھا ان کے میدان کے نئے ہموار تھے ادب سے ان کا زیادہ ربط
نہیں تھا۔

دوسرا سلسلہ ان لوگوں کا ہے۔ جن کا تعلق ادب اور تنقید سے
تھا۔ اور انھیں لسانیات سے بھی شغف تھا۔ چنانچہ ان میں زیادہ تر
ادب کے ربط و رشتہ پر غور کرنے والے ہیں اسی گروپ کا نام
لیا جا سکتا ہے۔ 1950ء کے بعد اسلوبیات کے مطالعہ کو بڑی
اہمیت دی گئی۔ امریکہ اور یورپ میں اس فن پر کئی کتابیں لکھی
گئیں۔

عملی تنقید :-

آب حیات ایک اہم ادبی دستاویز ہے۔ محمد حسین
آزاد نے تاثراتی تنقید کی بنیاد ڈالی۔ اور مشرقی زاویہ نگاہ سے
عملی تنقید کے نمونے پیش کیے۔ محمد حسین "آزاد" کی آب حیات
سے پہلے اردو میں کوئی ایسا کارنامہ نہیں تھا۔ جس میں باضابطہ
طور پر عملی تنقید کے ابتدائی خدوخال تلاش کیے جا سکیں۔ عملی تنقید میں
چند مخصوص ادبی فن پاروں کو سامنے رکھتے ہوئے شاعر یا ادیب
کی تخلیقات اور اس کے ادبی کارناموں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ آزاد نے
اردو میں عملی تنقید کے مختلف نقوش اتنے واضح نہیں
منت دو خاص ہیں۔ اسلئے ان کے یہاں ایسے تمام پہلوؤں کی

طرح محسوس ہوتا ہے کہ ناقد آزاد ہیں۔ انھوں نے علم عروض اور
علم بیان کے سلسلے میں الفاظ کے استعمال پر بڑی اچھی
بحث کی ہے۔ جامع بحث کیا ہے۔ شعرا و استاد کے سلسلے میں صرف
صفات اور دونوں کے بیان پر زور دیتے ہوئے الفاظ استعمال بطور خاص
بحث کی ہے۔

محمد حسین آزاد کی علمی تنقید کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے
مشرقی مزاج ان کی تنقید کے ضابطہ اخلاق ان کی مرقع نگاری اور کردار
نگاری پر تبصرہ کرنا ضروری ہے۔ آزاد نے علمی تنقید کو خوبصورت اور بہتر
کو عمومی صنف سے الگ خاص مزاج دیا۔ انھوں نے تنقید میں ایک
شخصی رنگ پیدا کیا۔ اس شخصی رنگ اور شخصی مزاج کی سب
سے بڑی خصوصیت اس کی مشرقیت ہے۔ آب حیات مشرقی
مزاج کی مکمل طاقتور اور منفرد تصویر کا آئینہ ہے۔ محمد حسین آزاد
نے اردو تنقید کے لیے تمیز ہے کہ زیادہ قابل نہیں بلکہ یہ
ذوق اور اپنی ذاتی پسند کو اہمیت دیتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرتے
ہیں۔ آزاد نے نثر یا نظم کی بجائے تخیل اور تاثراتی اظہار
کو بہتر سمجھا۔ وہ شاعری شاعرانہ خصوصیات کا تجزیہ نہیں کرتے
بلکہ تاثراتی طریقے پر اپنی رائے دیتے ہیں۔ اس میں تمام
شعرا کے کلام پر تنقید ایک ہی انداز کی ہے۔ محمد حسین آزاد نے
اپنے استاد ذوق کو مرزا غالب پر ترجیح دی ہے۔ محمد حسین آزاد
کی تنقید میں ذاتی پسند و ناپسند کا بڑا دخل ہے۔ انھوں نے

غالب کی بدولت طنزداری کو نظم انداز کیا۔ اس لئے انہیں ذوق معانی سنا کر نظم آسکتے ہیں۔

آزاد نے اردو تنقید کو ایک خاص طرح کا ضابطہ اخلاق بنا دیا۔ انھوں نے خود کو ایک طرح کے ہیپ کا پابند بنایا۔ اپنی آواز کے اظہار میں دو مقابل چیزوں اور انسانوں سے کام لیتے ہیں۔ ہر کوئی بھی ان اور خامیوں کو ساتھ ناصیوں اور خوبیوں سے وہ جیاد کے رنگینی مطالعہ میں اسطرح پیش کرتے ہیں کہ ردو ادا کی ایک مدت پیدا ہو جاتی ہے۔ آزاد نے تنقید کو تقاد کی نثر اور شعر یعنی کا سبق سکھایا۔ آزاد اردو دور آزادی قضا۔ ان کے دل میں بزرگوں کی عزت اس حد تک تھی کہ تحمل کر ان پر تنقید کرنا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ اس لئے انھوں نے تشبیہات اور استعارات کا سہارا لیا۔ آب حیات مشرقی مزاج کی طاقت اور شراکت داری سے آراستہ ہونے کے باوجود یہاں منظم مربوط اور سیر شنیوں سے سالکت تک پہنچا دیا۔ انھوں نے پہلی بار ماحول شخصیت اور خاندان کے رشتے کی اہمیت کا احساس دلایا اور تنقید نگاری کا ایک نیا دور یہیں سے شروع ہوتا ہے۔

مشرقی تنقید:-

اردو زبان کئی پرانی زبانوں کی طرح دنیا کی نسبتاً جدید زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔ اسطرح جب اس میں ادب کا آغاز و ارتقاء ہوا اور اس کے سامنے پہلی دوسری زبانوں کے ادیان

ادیان کے تنقیدی رویے موجود تھے۔ یہی وہ ادبیات اور
ادب کے دائرے کے خود بخود ہمارے سامنے آتے ہیں وہ مشرقی
تھے۔ اردو نے فارسی اور عربی کے اثرات کو قبول کیے۔ ان
ادبی رویوں کو جو اردو میں مشرقی اثرات کے تحت در آئے ہیں مشر
قی تنقید سے ہیں۔ ایک مدت تک اردو ادب میں کھاتے
کھاتے رجحانات پر اس طرزِ قلم کا غلبہ رہا۔ پھر مغرب کے سیاسی
حالات کی تبدیلی کے نتیجے میں قوموں کی دنیا میں بھی انقلاب
کے ساتھ آئے۔ یہ طرزِ فکر چونکہ مغرب سے آیا تھا۔ اسلئے
اسے مغربی تنقید کا نام دیا گیا۔ اس طرز تنقید سے مثلاً دیکھیں جو
پہلے سے اردو میں موجود تھی رفتہ رفتہ مشرقی اور مغربی کے
فاصلے مٹتے گئے اور سائنسی و تکنیکی انقلابات سے پوری پوری
دنیا اب سمٹ کر ایک گاؤں دکھائی دینے لگی ہے۔ ایک زبان کے ادب کا
ایک کا مخصوص رجحان دکھائی دیتے ہیں دیکھتے دوسری زبان میں جذب
ہو گیا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مشرقی تنقید کیا ہے۔ اور ہم
نے اردو تنقید کی ابتداء میں اس کو بہت کچھ دیا ہے۔ اردو میں
دیکھا ہے مشرقی تنقید عربی اور فارسی کے مفکرین اور اہل قلم کی دین
ہے۔ یہ بنیادی شاعری کی حقیقت اچھی اور خوبصورت شاعری کی
تعریف شاعری کے خوبیاں ہیں۔ یہ فن شعر کے وجود میں آنے
کے مراحل اور شاعری کے معیار سے متعلق پہلوؤں پر منحصر ہے۔

اس کی نظم نگاری کے فن اور اسالیب پر ہے۔ عہد حاضر کی مغربی تنقید کا ایک دبستان، جو نئی تنقید کے نام سے موسوم ہے۔ بڑی حد تک مشرقی تنقید کے حامل ہے۔ اور اس طرح گویا مغربی طرز تنقید میں بھی ہمیں کسی مشرقی تنقید کی جھلکیاں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ مشرقی تنقید میں متن کی اہمیت مغربی تنقید کے ایک جدید رجحان کے قریب ہے۔ مشرقی تنقید میں بناوٹ اور فن کے اجزا کو نکھارنے اور سنوارنے کا رجحان بدرجہ اتم موجود ہے۔ اور اس میں فن پارے کی مجموعی بناوٹ پر غور و خوض بھی ہوا ملتا ہے۔

بہر حال مشرقی تنقید میں شاعری کی تراش اور بناوٹ کے دل پذیری کو اہمیت حاصل ہے۔ مشرقی تنقید تفریح ہیئت کے اعتبار سے ستر اشارہ و رمز و حال کی زبان سے قریب تر دکھائی بھی ہے۔ اس لئے ہمیں مصحفی کی اصلاح و وضع کی اور اس کی تعریف سے یہ گی کہ دیکھنے میں کلام بظاہر آسان اور سادہ لگے۔ مگر اس سادگی میں شاعر کو تراشنی کی منزلوں سے گزرنا پڑا ہو۔ یعنی وہ اصل بات ان ہی میں کہہ سکتا ہوں۔ مگر جب وہ غور کرے تو بیان کی کمزوری کا احساس ہو۔ اس کے معنی صاف ظاہر ہیں کہ مشرقی تنقید میں آرائش کو سادگی کے قریب پہنچا دینا۔ بلاغت اور فصاحت میں تال میل پیدا کرنا۔ سلاست کو کسی حال میں ہاتھ سے جانے نہ دینا اور بیان کو "تکلف" سے بچانا، حقیقت سے قریب رکھنا معیاری شعر گوئی کے لئے

ضروری ہے اور جو کلام اس معیار پر پورا نہیں اترتا وہ نقص اور بناوٹ
کا شکار ہو جاتا ہے۔ نیاز صاحب نے ناپختگی اور خامی کا اظہار کیا ہے

اسی طرح مشرقی تنقید میں شاعری تاثیر کو بڑی اہمیت
دی گئی ہے۔ اور شاعری کو ساحری قرار دیا گیا ہے۔ مشرقی تنقید نگار
دل سے نکلے شعر وہ ہے۔ جو قاری یا سامع کو اپنا گرویدہ بنالے
اور اس کے طرزِ عمل یا عقیدے کو بدل ڈالے چنانچہ مشرقی تنقید میں
تاثیر کے واقعات شعرا کے تذکروں اور تنقیدی نگارشات
میں بھرے پڑے ہیں۔ جن سے شاعری کا جادو جگانا پتہ چلتا ہے،
کامل شاعری جب دل سے نکلتی ہے۔ تو جب وہ دوسرے دل پر اثر
کرتی ہے۔

اور یہی بات اقبال نے اپنی نظم شکوہ میں کہی
ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے۔

انسانی خیالات میں شاعری کی بدولت انقلاب
برپا ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ اور بھی تو ہم اگر ہم جذبات و احساسات
میں ہیجان پیدا کر دیتا تو شاعر کے لیے احسان ہے۔ اگر یہ ضبط نظم
و انضباط کا باعث بھی ہوا ہے۔ مگر ایسا جذبات کو مشتعل کرنے والی
شاعری اعلیٰ درجے کی ہوسکتی ہے یا نہیں کیونکہ جذبات کو مشتعل
کرنا آسان ہے مگر ایسی شاعری بہکاتی تو خوب ہے کی حاصل

بنا کی ۔ چنانچہ الفاظ کے سیاق و سباق سے تلازمے کے سیاق و سباق
کو معنی بھی مشرقی تنقید کا بنیادی عنصر ہے ۔ یہ لفظ کا محل استعمال طے
شدہ ہے ۔ اس لیے کہ دوسرا لفظ مناسب نہ ہوگا مشرقی تنقید اس لیے
بنتی ہے یا بنتی ہے ۔ ہنر اظہار کے ساتھ الفاظ کے استعمال میں بے
کی جگہ کی جاتی ہے ۔ کوئی بھی لفظ روزمرہ اور محاورہ کے خلاف نہیں
اور اصطلاح استعمال نہ ہو تو وہ ماں کے معنی کے خلاف قرار پاتے ۔

مشرقی تنقید میں عربی اور فارسی علماء و انشاء
پ بھی کارفرما رہے ہیں ۔ عربی کے اثر سے مختلف پہلوؤں ایک طرح
دکھائی دیتی ہے ۔ ایک طرف یہ کیا جاتا ہے ۔ شاعری وہ ہے کہ سخن دان
یہ کہیں "سچ کہا" دوسری جانب یہ اعتراف بیان کہ شاعری مانند
دل سے ہے انکار کیا جاتا ہے ۔ اردو میں اسی کی طرح میر حسن
کی مثنوی سحر البیان "کہ دوسری مثنوی بان یہ ترجیح دیتے ہیں
اور مصحفی ہر ازی کے دلدار نسیم کی مثنوی گلزار نسیم پر ترجیح
دیتے ہیں ۔

مشرقی تنقید میں اختصار کے مقابلے طوالت کو بھی بڑی اہمیت
حاصل ہے ۔ علم بیان کے نکتہ سے جزو یہ بھی اہمیت حاصل ہیں ۔
مشرقی تنقید میں لفظوں کے محاسن پر ادبیت کی پابندی پر زور
دیتی ہے ۔ اصل میں یہ قائم مشرقی تنقید کا سطح نظر ہے ۔

مغربی تنقید :-

ادبی تنقید کی روایت یونان میں آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل افلاطون سے شروع ہوئی۔ تنقید کو ایک فن کی حیثیت سب سے پہلے یونان ہی میں ملی۔ مغربی تنقید کے آغاز کا سہرا افلاطون اور اس کے لائق شاگرد ارسطو کے سر ہے جن کے وضع کردہ ادبی نظریات اور اصول آج بھی اہمیت و افادیت سے خالی نہیں۔

افلاطون [428 - 348 ق م] ایک فلسفی تھا۔ اور قدیم یونان کا صدر مقام ایتھنز کا رہنے والا تھا۔ وہ فن کا ایک فعال دانشور تھا۔ اس نے تنقید یا اس کے فن پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی۔ مگر اس کا مکالمہ [ری پبلک] اور مسودات کی شکل میں جو کچھ ہم تک پہنچا ہے اس نے جو رسالے لکھے تھے۔ ان کے مطالعے سے ہمیں افلاطون کے تنقیدی تصورات کا پتا چلتا ہے جن کو ہم ادبی تنقید کی عمارت کا سنگ بنیاد بھی کہہ سکتے ہیں۔

افلاطون کا خیال تھا۔ کہ دنیا کی اصل ہستی سے پرے ایک شعری یا ادبی تخلیق ادب کا مطالعہ اور اخلاق کا مطالعہ دونوں کی نظر میں ایک ہی جیسی تھی۔ سوسائٹی کے اخلاق اور ... والے ذریعہ تصور کرتا تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا۔ اور لکھا کہ اس میں کیا اچھا ہے۔ اور کیا برا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ شاعری میں یہ قوت نہیں ہے کہ وہ انسان کو

اچھا شہری بنا سکے۔ اس کی یہ بات بہت ہی درست ہے۔ اس نے کہا
کہ شاعری محض فطرت کی نقل ہے۔ اس میں جھوٹ زیادہ ہوتی ہے
یعنی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اپنے جمہوریت کے
دائرہ [شاعروں] کو مثالی ریاست میں رہنے کی اجازت نہیں
دینی چاہیے۔ لیکن حقیقت کی بات تو یہ ہے کہ افلاطون خود
اپنی جوانی کے زمانے میں شاعر تھا۔ اور شاعری کا الزام بھی دیا گیا تھا۔
افلاطون کے شاگرد ارسطو [384 سے 382 قبل مسیح] میں ہیں۔ ارسطو نے
بیان کردہ نظریات سے غیر متفق تھا۔ اس نے افلاطون کے اٹھائے
ہوئے سوالات کو اپنی علم کا محور بنایا اور افلاطون کے اعتراضات
کا از سر نو جائزہ پیش کیا کہ "شاعری" نقل ہے۔ مگر یہ
نقل ایک مخصوص طرز کا نام ہے۔ چنانچہ نقالی سے مراد محض نقالی
مشابہت سے نہیں ہے۔ اس نے "نقالی" کے عمل پر تین مختلف
زاویوں سے نگاہ ڈالی۔

1. نقالی کس شے کی جاتی ہے۔
2. نقل کس چیز کی ہوتی ہے۔
3. نقل کس طرح کی جاتی ہے۔

یعنی ارسطو نے یہ کوشش کی کہ نقل کے عمل کو سمجھ
کرے۔

۱. ذریعہ [medium]

۲. مواد

۳. طریقہ یا طرز [manner]

کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے بوطیقا [شعریات] جو ارسطو کی تقریروں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اس نے اعلیٰ اور ادنیٰ شاعری کی بنیاد فراہم کی ہے اور بتایا ہے شاعری کو صرف شاعری کی حیثیت سے دیکھنے کی کوشش کی۔ فنون لطیفہ کو مسرت یا خوشی بخشنے والا کہا۔ ارسطو کا خیال ہے کہ حسن اور خوبصورتی میں خلیقہ ایک وحدت ہے۔ اگر کسی نظم کا نظم اچھا ہے بس تو اس سے مراد نظم کا حسن ہوتا ہے۔ یعنی لفظ اچھا اخلاقی معنی میں نہیں ہے بلکہ جمالیاتی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ افلاطون کے نظریہ پر اس نے مکمل بحث کی ہے۔ اور کتھارسس کا تصور پیش کیا ہے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے اس نے کہا ہے کہ کتھارسس ایک عمل تزکیہ ہے جس کا مقصد صحت و اصلاح ہے۔ یا فاسد جذبات کو باہر خارج کرنا یعنی جب ہم تماشائی کی سے دیکھتے ہیں تو ہم ایک ذہنی [قلبی] سکون کے ساتھ باہر نکلتے ہیں اور ہمارے فاسد جذبات خارج ہو جاتے ہیں۔ اس طرز کو کلاسیکی تنقید کہا گیا ہے۔

اردو میں حالی سے شروع ہونے والی روایت درحقیقت مغربی تنقید سے استفادے کی پہلی کوشش تھی۔ اور مغرب کی

تحریک تھی جو بیسویں صدی میں شروع ہوئی تھی قریب جدیدیت کا حصہ تھا۔
مغرب میں شعر و شاعری میں حالی نے شعر یا نظم کی جدیدیت پایا اور
طور پر شروع کی۔ اس طرح اردو میں شعریات کی جدیدیت کا ایک نیا
باب پیش کیا۔ انھوں نے سادگی، اصلیت اور جوش۔ جیسے عنوان
ترتیب دے کر ان پر فرداً فرداً مفصل بحث کی اور اردو شاعری میں حقیقی
طور پر نظم کی صنف کا جائزہ لیا اور ادب کے مقاصد کو بیان
کیے۔ اس طرح محمد حسین آزاد نے بھی مغربی تحریک کے
زیر اثر انجمن پنجاب سے جدید نظم کا آغاز کیا جس کا مقصد جدید ادب کے
لیے راہ ہموار کرنا تھا۔ 1857ء کے بعد اردو ادب پر مغربی ادب اور
تنقید کے گہرے اثرات اسی تحریک کا اثر بتائے جاتے ہیں۔

اردو میں ترقی پسند تحریک کا آغاز بھی مغربی تنقید کے
اثرات کا نتیجہ تھی جس سے اردو کے عظیم ادب کا سلسلہ چلا جس
نفسیاتی، سماجی، جمالیاتی، مارکسی، سماجی طرز تنقید پیدا ہوا
تاریخی، معاشرتی تنقید، ان پر مغرب کے اثرات واضح طور پر
دکھائی دیتے ہیں۔

اسی طرح جدیدیت کے جو بڑے حصے ہیں وہ اردو شاعری میں
در آئے ہیں۔ مغربی مفکرین اور ادب کا اثر ہے۔ علامتی
جدید شاعری مغرب سے آئی جن میں شمار کی جاتی ہیں آج کل اردو

تنقید کے جو نئے طرز وجود میں آئے ہیں۔ ان میں ہیئتی تنقید
اسلوبیاتی تنقید، ساختیاتی طرز، پس ساختیات سے شعریات مکمل
کا نظریہ بھی مغرب کی دین ہیں۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ
مختلف النوع نظریات کے تحت جو تنقید وجود میں آئی تھی اب
ایک امتزاجی نوعیت اختیار کر رہی ہے۔ اور تنقید کا یہ امتزاجی
پہلو اردو تنقید میں آ کر بہت بہتر نظر آتا ہے۔ عمومی طور پر
مغرب سے اردو دانوں نے صرف شعری فنی پہلوؤں کو
اخذ کیا۔ بلکہ ان کے تنقید کے ہاں بھی مغربی اصولوں کے تحت
مرتب ہوئے۔ البتہ اردو کے مزاج کا بھی خیال رکھا۔ نظم و نثر کے
تجزیے بھی ان اصولوں کے تحت کیے گئے۔ آج کل اسلوبیاتی ساختیاتی
پس ساختیاتی اور تانیثی کے علاوہ نظریے اردو میں
بھی زیر بحث ہیں۔ جس سے شمس الرحمن فاروقی، گوپی چند
نارنگ اور وزیر آغا جیسے ناقدین وابستہ ہیں چنانچہ یہ
ثابت ہوتا ہے کہ مغربی تنقید کا سب سے زیادہ اثر انہیں ناقدین کے
ذریعے ہمارے تنقیدی ادب پر ہے۔

Scanned with OKEN Scanner